

میراجہر فقیر

۸۰



اگر کتاب کی تلاش ہے
تو یہ جگہ ہے

PAKISTANI

POINT

۱۹

سروادی سینا

(پانچواں مجموعہ کلام)

فیض احمد فیض

وانیال



PAKISTANI

اکنڈا پبلسٹس
پرائیویٹ لمیٹڈ

POINT

موسم آیا تو نخلِ دار پہ میر
سر منصور ہی کا بار آیا

PAKISTANI POINT

اکنٹائی پوائنٹ
ایس بی اے



جملہ حقوق محفوظ

ناشر : حوری نورانی
مکتبہ دانیال، وکٹوریہ چیمبرز ۲
عبداللہ ہارون روڈ۔ صدر۔ کراچی
طابع : ذکی سنز پرنٹرز۔ کراچی
سرورق : سلیمہ ہاشمی (دختر فیض احمد فیض)
ترجمین : انظر عباس جعفری
اشاعت : ۲۰۰۰ء (بارہویں بار)
قیمت : ۱۰۰ روپے

مریم (سگائیک) کے نام

PAKISTANI  POINT

اکنٹائی پوائنٹ
ایسٹیبلیشمنٹ

فہرست

۱۳	وکٹر کیرن	فیض
۱۷	الیگز اینڈر سُرکوف	ایک حوصلہ مند دل کی آواز
۲۳		انتساب
۳۱		لوکاس ٹراغ
۳۳		زنداں زنداں شورانا الحق محفل محفل نقلِ عے
۳۴		دست و کشتول نہیں کاسہ سُرلے کے چلو
۳۵		یہاں سے شہر کو دیکھو
۳۸		یوں سجا چاند کہ جھکاترے انداز کارنگ
۳۹		غم نہ کر



PAKISTANI

پاکستانی پبلسٹس
ایسوسی ایشن

POINT

۹۱	جرس گل کی صدا
۹۳	فرشِ نومیدی دیدار
۹۷	ٹوٹی جہاں جہاں پہ کند
۱۰۱	شرح بے دردی حالات نہ ہونے پائی
۱۰۳	حذر کرو مرے تن سے
۱۰۵	تہ بہ تہ دل کی کدورت
۱۰۷	ہم سادہ ہی ایسے تھے کی یونہی پذیرائی
۱۰۸	یک جان نہ ہو سکتے
۱۰۹	یارِ اغیار ہو گئے ہیں
۱۱۰	غبارِ خاطر محفل
۱۱۳	داغستان کے ملک الشعراء رسول حمزہ کے افکار
۱۲۶	غیر مطبوعہ کلام (۱۹۷۸ء)

PAKISTANI POINT

اکنٹائی پوائنٹ

پبلسٹیشن



۴۰	بلیک آؤٹ
۴۲	کس حرف پہ ٹونے گوشہ لب اے جان جہاں غماز کیا
۴۳	سپاہی کا مرثیہ
۴۷	ایک شہر آشوب کا آغاز
۴۹	دیوارِ شب اور عکسِ رخ یار سامنے
۵۰	کئے آرزو سے پیماں جو مال تک نہ پہنچے
۵۵	سوچنے دو
۵۸	نہ کسی پہ زخم عیاں کوئی نہ کسی کو فکرِ نو کی ہے
۶۰	سروادی سینا
۶۲	دُعا
۶۸	دلدار دیکھنا
۷۰	ہارٹ اٹیک
۷۵	ضبط کا عمد بھی ہے شوق کا پیماں بھی ہے
۷۶	مرثیے
۸۳	خورشیدِ محشر کی نو
۸۹	بالیں پہ کہیں رات ڈھل رہی ہے
۹۰	اک سخنِ مطربِ زیبا کہ سلگ اٹھے بدن

فیض وی جی کیرن

میں فیض سے کوئی بیس سال قبل اس وقت متعارف ہوا تھا جب وہ ایم۔ اے۔ او۔ کالج امرتسر میں لیکچرار تھے۔ ایک اور پرانے دوست جو اس وقت فیض کے رفیق کار تھے، کل اچانک ایڈنبرا میں دکھائی دیئے اور ان سے مل کر مجھے بتے ہوئے دن یاد آگئے۔ معلوم یہ ہوا کہ فیض کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ اُس قدیم دوست کی ایڈنبرا میں آمد سے مجھے مطلع کریں گے لیکن وہ بھول گئے۔ اس زمانے میں بھی وہ اپنی بھول جانے کی عادت اور غائب دماغی کی وجہ سے خاصے مشہور تھے۔ لیکن ان کے طالب علم ان کی اس عادت کو آسانی سے درگزر کر دیتے تھے کیونکہ اگر کوئی پروفیسر یہ بھول جائے کہ اسے طلبہ کو لیکچر دینا تھا تو انہیں کبھی اس کا افسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح تانگہ چلانے والوں کا بھی ان کے ساتھ یہی رویہ تھا کہ وہ کسی کے گھر جا کر باتوں میں مصروف ہو جاتے اور یہ بھول جاتے کہ باہر تانگہ کھڑا ہوا ہے اور اس طرح تانگے والوں کا کرایہ بڑھتا تھا۔ اور ادلی لوگ انہیں یوں معاف کر دیتے تھے کہ وہ اس وقت بھی ایک اہم شاعر تھے۔

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ اس ہفتے لندن میں ایک ادلی تقریب ان کے اعزاز میں منعقد کی جا رہی ہے اور مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں خود وہاں حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ گذشتہ بار کوئی پانچ سال قبل جب وہ انگلستان آئے تھے تو ایک ایسی ہی تقریب میں شریک ہونے کا مجھے شرف حاصل ہوا تھا۔ اس تقریب کے فوراً بعد فیض یورپ روانہ ہوئے۔

رہے تھے تاکہ وطن واپس جا سکیں، جہاں انھیں جیل میں ڈال کر ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ کئی ادبی شخصیتوں کی زندگی میں اس قسم کی خفیف غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ اس بار وہ نسبتاً زیادہ طویل مدت کے لئے انگلستان میں قیام کر رہے ہیں تاکہ خوش قسمتی سے ان کے دوستوں کو مستقبل قریب میں اسی قسم کی کسی اور غلط فہمی کا خوف باقی نہ رہے اور کسی محبت و وطن شاعر کو اپنے وطن سے لگاؤ کیوں نہ ہو یہ امر خاصا دل خوش کن ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ (کسی دوست کی طرح) بہت قریب سے جائزہ لینے کے بجائے چار یا پانچ ہزار میل کے فاصلے سے اپنے وطن کے بارے میں غور و خوض کرے۔

یہ امر بلاشبہ افسوسناک ہے کہ فیض مع اہل و عیال ہمارے یہاں کے متعدد ہند سکون اور رومان انگیز مقامات مثلاً میرے آبائی شہر مانچسٹر یا ایک ڈسٹرکٹ جہاں ایک زمانے میں اتنے سارے شاعروں نے عروج پایا، یا سب سے بڑھ کر ایڈنبرا میں رہنے کے بجائے لندن میں سکونت اختیار کر رہے ہیں۔ اسی شہر میں جو اینٹوں، کمر، شور غل اور اہالیان لندن کا ایک دیو بیکل مجموعہ ہے۔ ڈاکٹر جانسن کہا کرتے تھے کہ جب آدمی لندن سے اکتا جائے تو وہ زندگی سے اکتا جاتا ہے۔ لیکن یہ اٹھارویں صدی میں ہوتا تھا۔ آج تو یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ جب آدمی زندگی سے اکتا جائے تو وہ لندن کا رخ کرتا ہے۔

فیض بلا کے سگریٹ نوش واقع ہوئے ہیں۔ یہ بری عادت لندن کے کمر اور دُھند کے ساتھ مل کر کہیں ان کی انتہائی تابناک صلاحیتوں کو ماند نہ کر دے تاہم مجھے کامل یقین ہے کہ اپنی بیوی اور پیچوں کی مدد سے وہ اس مسئلے پر قابو پالیں گے۔ نیز یہ کہ ایک ادبی شخصیت کی حیثیت سے اس ملک میں ان کا قیام تخلیقی ثابت ہو گا۔ وہ اب تک بہت کچھ کر چکے ہیں لیکن انھیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے، اور اب جب کہ وہ دوسرے ہنگاموں سے آزاد ہیں انھیں یقیناً خیال آئے گا کہ ان سے کس قدر زیادہ توقع کی جاتی ہے۔ ان بیس برسوں میں مجھے یقین ہے کہ میں نے انھیں اس قسم کے موضوعات پر کم از کم بیس کتابیں لکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ جدید معاشرے میں فنکار کا مرتبہ 'تاریخ ادب اردو یا مغربی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی

تہذیب کی نوعیت وغیرہ وغیرہ۔

ہر شخص کو جو ان سے واقف ہے فطری طور پر یہ توقع بھی ہو گی کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات میں مزید نظمیں لکھیں گے۔ میری ہمیشہ سے یہ خواہش بھی رہی ہے کہ وہ دوسرے ممالک کی بعض نظمیں خصوصاً ہمارے عہد کی ترقی پسند شاعری کا ترجمہ اردو میں کریں جو اسی روایت یا عالمی تحریک سے تعلق رکھتی ہو جس سے خود ان کی شاعری وابستہ ہے ویسے جارج بارو جنھوں نے آئرستان، ڈنمارک اور دوسرے علاقوں کی شاعری کو انگریزی میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی ایک کتاب لیونگرو (Lavengro) میں لکھتے ہیں کہ۔

”ترجمہ زیادہ سے زیادہ ایک بازگشت ہی ہوتا ہے“

تمام ترجمہ کرنے والے یقیناً یہی محسوس کرتے ہوں گے لیکن کچھ نہ ہونے سے بازگشت بھی بہر حال بہتر ہے اور فیض کی پیدا کردہ بازگشت کم از کم مترنم ضرور ہو گی۔ گزشتہ دنوں ان سے یہ سن کر میں بے حد متاثر ہوا کہ خود ان کی بعض نظمیں سواحلی زبان میں ترجمہ ہونے کے بعد مشرقی افریقہ میں پڑھی جا رہی ہیں جہاں ایک ملک گیر زبان کی حیثیت سے سواحلی کا مستقبل بہت تابناک نظر آتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جلد ہی دوسری زبانوں میں بھی ان کے کلام کا ترجمہ ہو جائے گا۔

ایک اسکاٹ خاتون نے، جو کئی سال تک افغانستان میں رہی ہیں۔ فیض کے والد کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جو اس زمانے میں وہاں وزیر اعلیٰ (۱) تھے۔ مصنفہ کے بیان کے مطابق وہ بڑے پختہ عزم و ارادہ کے مالک تھے اور انتہائی انتشار کے ماحول میں نظم و نسق قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ امرتسر کی آزادانہ زندگی کے زمانے سے فیض بھی دوسرے متعدد باحوصلہ انسانوں کے دوش بدوش اس جدوجہد میں مصروف ہیں کہ ہمارے جدید عہد کے انتشار میں ضبط و توازن قائم کیا جائے، جو کبھی کبھی افغانستان کے دور قدیم سے زیادہ

فیض کے والد سلطان محمد خان، امیر عبدالرحمن والی افغانستان کے دربار میں چیف سیکرٹری کے عہدے پر مامور تھے۔

ایک حوصلہ مند دل کی آواز

الیکٹرانڈر سرکوف

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خون دل میں ڈوب لی ہیں انگلیاں میں نے
لبوں پر مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقہ زنجیر میں زباں میں نے

ماسکو میں دسمبر کی ایک سرمازدہ شام کو زندگی میں پہلی بار فیض کے ان ولولہ خیز اشعار نے میرے دل میں اضطراب پیدا کیا تھا۔ ۱۹۵۴ کا سال رخصت ہو رہا تھا اور برف کا ایک طوفان پھسکن کے سرمئی مجسمے کے گرد نغمہ ریز تھا۔ پہرہ دار سپاہی چوراہوں پر کھڑے سردی سے کانپ رہے تھے۔ ماسکو کے ایک گرم اور آرام دہ فلیٹ میں مشرقی سویت کی دوست جمہوری ریاستوں کے شعراء اور بیرونی مشرقی ممالک سے آئے ہوئے مہمانوں کی محفل میں ہندوستان کے شاعر علی سردار جعفری ایک ناآشنا زبان کے اشعار تقریباً گنگنانے کے انداز میں پڑھ رہے تھے۔ اشعار سب کے دلوں کو مسحور کرتے جا رہے تھے۔ ان اشعار میں محبت کے نازک جذبوں کی کک تھی۔ زنداں کی تنہا کو ٹھڑی میں مقید انسان کا غم تمنا تھا اور ایک انقلابی کا شعلہ خیز غیظ و غضب بھی تھا۔ یہ اشعار فیض احمد فیض کے تھے جو ہماری صحبت میں شامل نہ ہو سکے تھے اور ماسکو سے بہت دور منگمری جیل میں تنہائی کے شب و روز بسر کر رہے تھے۔ اسی لمحہ شاید وہ جیل کی سلاخوں سے باہر کا منظر دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ رخشندہ ستاروں

ماپوس کن نظر آتا ہے۔ میں ایک اور پشت کو سرگرم عمل دیکھنے کا خواہاں اور چشمہ تھوڑے سے فیض کی بیٹیوں کو اپنی اپنی رغبت کے عظیم کارناموں کی تکمیل میں منہمک دیکھ بھی رہا ہوں۔ ان میں ایک کو غالباً پاکستان کی پہلی عظیم مصورہ کی حیثیت سے اور دوسری کو شاید پہلی خاتون صدر کی حیثیت سے۔

وریں اثناء فیض کے دوستوں کو ہر ہفتے کے خاتمے پر ان سے دریافت کرتے رہنا چاہئے کہ انہوں نے کتنے صفحات لکھ لئے ہیں اور ہر روز شام کو معلوم کرتے رہنا چاہئے کہ انہوں نے کتنے سگریٹ نہیں پیئے ہیں۔

۲۷ نیلس اسٹریٹ

ایڈنبرا

۵ دسمبر ۱۹۶۲ء

(ترجمہ: سحر انصاری)

زمانے سے ہی تن دہی کے ساتھ شامل ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں فاشزم سے اپنی نفرت کے اظہار کے لئے وہ بدیسی اینگلو انڈین فوج میں ایک افسر بن گئے تھے اور جنگ کے بعد کرنل کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ وہ ایک پُر جوش صحافی تھے جو نو آبادیاتی شکنجے اور مقامی آقاؤں کی غلامی سے اپنے عوام کو آزاد کرانے کے تصورات کو فروغ دینے کے لئے جان و دل سے سرگرم عمل ہیں۔

فیض اپنی شاعری، اپنی سیاسی تحریروں اور ایک پُر خلوص انقلابی کی حیثیت سے اپنی سرگرمیوں کے ذریعے پاکستان کے بہترین فرزندِ وطن کے دوش بدوش بے غرضی اور جوش و خروش کے ساتھ جدوجہد میں مصروف ہیں۔ رجعت پسند اس باکمال شاعر کی قوتِ صداقت اور توانائی الفاظ سے خوف زدہ تھے۔ چنانچہ عذابِ تنہائی اور جبری بے کاری کا شکار بنانے کے لئے انہوں نے منگمری اور حیدرآباد کی جیلوں میں فیض پر پانچ سال کی طویل اسیری مسلط کر دی تھی۔ لیکن شاعر کے زندہ اور حیات پروردل کی دھڑکنوں پر سنگلاخِ زنداں کے نغموں کی تاریک رات غالب نہ آسکی اور نہ ایامِ اسیری کی بے حس اور جامد خامشی ان کے نغموں پر کوئی مہر سکوت مثبت کر سکی۔

زنداں کی سنگین دیواروں میں سے بھی ان کے حوصلہ مند دل سے وہ نغمے پیتاب ہو کر نکلتے رہے جو عوام، زندگی اور مادرِ وطن کی محبت سے لبریز تھے۔ ان کے نعمات کے پیروں کی سرسراہٹ پاکستان اور متحدہ دوسرے ممالک کی سرزمین پر سنائی دیتی رہی اور لاکھوں انسانوں کے دلوں کو گرماتی رہی۔

آخر کار رجعت پسندی کی تیرگی اور انقلابی شاعر کی روشنی کی جنگ میں شاعری ہی کامران و فتح مند رہی۔ خطرے اور وہ بھی موت کے مسلسل خطرے سے عبارت پانچ سال کی قید و بند کی صعوبتیں ختم ہوئیں اور محبت و وطن شاعر آزاد ہو گیا ایک بار پھر ماضی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جوش اور ولولہ کے ساتھ اس کی جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے جس کی خاطر اس نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اپنے ہموطنوں کے لئے تمام اقوام کے مابین دوستی

سے معمور آسمان کو تک رہے ہوں گے یا پھر شاید اپنے حوصلہ مند دل پُر سوز کی گہرائی میں جنم لینے والے مصرعے سرگوشی کے اندام میں دہرا رہے ہوں گے۔

تین ماہ بعد..... وقت وہی تھا جو ماسکو میں گذشتہ موسم سرما کی ہواؤں کی موجودگی میں تھا۔ میں نے ایک بار پھر ایسے اشعار سنے جو دل کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور ان کے تاثر کی توانائی ہی سے مفہوم اور تفہیم کی منزلیں طے ہونے لگتی ہیں۔

اس وقت میں دہلی میں تھا۔ مارچ کا آغاز تھا، سیاہ جنوبی آسمان پر بے شمار ستارے جھلملا رہے تھے اور اس منظر میں سدا بہار درخت رات کی دُھند میں ایستادہ نظر آرہے تھے۔ لال قلعہ کی دور افتادہ اور سنگین دیواروں کے سائے میں گاڑیاں خاموشی سے گزر رہی تھی اور رکشہ چھلاؤں کی طرح بھاگ رہے تھے۔ وہ سب اس مقام کی طرف رواں دواں تھے جہاں قلموں سے روشن و وسیع و عریض رنگارنگ پنڈال، سبزے کے قطعات اور بے شمار رنگین پھولوں سے لدے ہوئے نامانوس درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔

پنڈال میں ایک مشاعرہ ہو رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے شاعر مائیکروفون پر آتے رہے اور مشاعرے میں جان پڑتی رہی اور پھر جعفری نے چند ایسی نئی نظموں کا آغاز کیا جو منگمری جیل کے تنہا کمرے کی اداس اور سنگین دیواروں میں مقید رہ کر لکھی گئی تھیں۔

اب فیض وہاں اپنی اسیری کا پانچواں سال گزار رہے تھے۔

رنگ برنگے پنڈال میں اچانک سناٹا اور ارتعاش پذیر سکوت چھا گیا ہر لفظ صاف سنائی دے رہا تھا۔ ایک ایک لفظ دلوں میں اترتا چلا جا رہا تھا اور ایسے مقامات پر جہاں شاعر کے اشعار احساس کی گہرائی میں ڈوب جاتے اور پھر غیظ و غضب کی بازگشت بن کر ابھرتے تو جیسے پنڈال ایک دم بیدار ہو جاتا اور نغمہ گر کی آواز کے ساتھ ساتھ بڑے جوش و خروش سے داد دینے لگتا۔

اس وقت میں فیض احمد فیض کے بارے میں کیا جانتا تھا:

یہی کہ اپنے عوام کو نو آبادیاتی نظام کی غلامی سے آزاد کرانے کی جدوجہد میں وہ جوانی کے

کو فروغ دینے کے لئے، اور تمام انسانوں کے لئے امن کی فضا پیدا کرنے کے لئے..... اور اب زنگ خوردہ زنجیروں اور ہتھکڑیوں کی گرفت سے آزاد ہو کر وہ زیادہ توانائی اور جذبے کی سچائی کے ساتھ اپنے شعلہ صفت نعمات فضا میں بکھیر رہا ہے۔

۱۹۵۸ء کے موسم خزاں کے بعد تاشقند میں آفرو ایشیائی ادیبوں کا مشہور اجلاس ہوا جس میں فیض نے ایک مقتدر قائد کی حیثیت سے شرکت کی۔ وہاں ان سے پہلی بار میری ملاقات ہوئی، اس شاعر سے ملاقات ہوئی جس کا تصور میں اپنے دل میں بسائے ہوئے تھا۔ فیض کے لئے وہ نسبتاً اسی کا زمانہ تھا۔ پاکستان میں حکومت کا تختہ الٹ کر غیر جمہوری طاقتوں نے اقتدار سنبھال لیا تھا۔

ماسکو میں ادیبوں کی انجمن کے ایک کمرے میں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نظمیں پڑھ رہے تھے اور روسی زبان میں فیض کی نظموں کا ایک مجموعہ شائع کرنے کی بات بات چیت کر رہے تھے۔ پھر اتفاق سے ہماری گفتگو کا رخ نظموں سے ہٹ کر اس وقت کی سیاست کی طرف ہو گیا۔

”تو پھر مستقبل قریب میں آپ کا کیا ارادہ ہے؟“

فیض نے اپنی سیاہ آنکھوں سے جن کی گہرائی میں قدرے اداسی تھی، میری طرف دیکھا لیکن ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ موجود تھی۔

بس پہلے تو میں لندن جاؤں گا۔ وہاں اپنے بعض دوستوں سے ملوں گا جو ابھی ابھی پاکستان سے آئے ہیں۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ میں کراچی، لاہور، اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا۔

”لیکن آپ جانتے ہیں کہ اب وہاں.....“

ان کے ہونٹوں کے کناروں پر وہی ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

”ظاہر ہے کہ اس صورت میں تو مجھے وطن ہی واپس جانا چاہئے۔“

”تو پھر جیل یقینی ہے۔“

”شاید..... اور اگر کسی بڑے مقصد کی خاطر انسان کو جیل بھی جانا پڑے تو ضرور جانا

چاہئے۔“

”لیکن اگر جیل سے بھی بدتر کچھ ہو تو.....؟“

شاعر نے کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا جہاں باغ کے وسط میں ٹالٹائے کا مجسمہ نصب تھا۔ سرد اور خزاں زدہ آسمان پر نظر ڈالی۔ مسکراہٹ بدستور موجود تھی۔ چند لمحے کے توقف کے بعد انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں آہستہ سے کہا۔

”اگر جیل سے بھی بدتر کوئی چیز ہوئی تو پھر یقیناً برا ہوگا۔ لیکن تم جانتے ہو جدوجہد بہر حال جدوجہد ہے۔“

یہ تھا ان کا ہر سکون لیکن ہر اعتماد جواب۔

میں اپنی زندگی میں ایسے متعدد افراد سے مل چکا ہوں۔ ان میں سے بہت سے نڈر، بے باک اور جرأت مند بھی تھے اور اپنی زندگی کے نصب العین کی تکمیل میں جان و دل سے منہمک بھی۔ وہ ہر قسم کی اذیت یہاں تک کہ ناگزیر موت برداشت کرنے کا بھی حوصلہ رکھتے تھے۔

فیض میں یہ ضبط و تحمل اور یہ اعتماد، اذیت کو شہی اور موت سے نبرد آزمانی کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ ایک ایسی موت جو جدوجہد کے لئے خود کو وقف کر دینے والوں کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔

تاہم مصائب و ابتلاء کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی جرأت فیض میں تھی اس نے میرے سارے وجود کو ڈگمگا دیا۔

فیض کی شاعری کا ترجمہ کرنے کی غرض سے میں نے ان کا ایک ایک مصرعہ بڑے غور سے پڑھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو (ترجمہ شدہ) مصرعوں میں ترجمہ اور ان کے حساس اور حوصلہ مند دل کا جذبہ برقرار رہے۔ اس کوشش میں نہ صرف ان کے اشعار کا جذباتی زیر و بم، جسے دوسری زبان میں منتقل کرنا تقریباً ناممکن ہے، بلکہ ایک جاننا اور شاعر انسان کا ہر سکون اور واضح ضبط و تحمل میری روح میں گونجنے لگا۔ شاعر جس نے ایک انقلابی کی

حیثیت سے خود اپنی زندگی کو ایک نغمے میں ڈھال لیا اور اپنے نغمے کو جدوجہد کا ایک موثر ہتھیار بنا لیا ہے۔ جدوجہد کے مراحل سے گزرتے ہوئے مشرق کے ایک ممتاز ترین ترقی پسند شاعر فیض احمد فیض کے ان نعمات کو سوویت قارئین سے روشناس کراتے ہوئے مجھے بے پایاں مسرت ہو رہی ہے۔

مطالعہ کے دوران فیض کی شاعری میں ابتلائے اسیری کا تاثر بھی محسوس ہوتا ہے جس سے دل اداس ہو جاتا ہے لیکن پھر شعلہ خیز جوش و جذبہ اس تاثر پر غالب آجاتا ہے۔ تیرگی کا استعارہ ان کی شاعری میں بار بار آتا ہے لیکن وہ اشعار زیادہ تابناک ہیں جن میں شاعر کے وطن پر طلوع ہونے والی سحر کے نور اؤلین کا خیر مقدم کیا گیا ہے اور مطالعہ کرنے والا یقیناً محسوس کرے گا کہ آزادی کی محبت اور شاعر کے مصائب زدہ وطن کو حقیقی شاعری کس طرح ہم آہنگ و ہم رنگ کر دیتی ہے۔

(روسی زبان میں مجموعہ کلام کا دیباچہ ۱۹۶۲ء)

ترجمہ:- سحر انصاری

انتساب

آج کے نام

اور

آج کے غم کے نام

آج کا غم کہ ہے زندگی کے بھرے گلستاں سے خفا

زرد پتوں کا بن

زرد پتوں کا بن جو مرا دیس ہے

درد کی انجمن جو مرا دیس ہے

کلر کوں کی افسردہ جانوں کے نام

کرم خوردہ دلوں اور زبانوں کے نام

اُن دُکھی ماؤں کے نام
 رات میں جن کے بچے بلیختے ہیں اور
 نیند کی مار کھائے ہوئے بازوؤں میں سنبھلتے نہیں
 دُکھ بتاتے نہیں
 متوں زاریوں سے بہلتے نہیں
 اُن حسیناؤں کے نام
 جن کی آنکھوں کے گُل
 چلمنوں اور درپچوں کی بیلوں پر بے کار کھل کھل کے
 مُرجھا گئے ہیں
 اُن بیابتاؤں کے نام
 جن کے بدن
 بے محبت ریاکاریوں پر ساج کے اُکتا گئے ہیں

پوسٹ مینوں کے نام
 تانگے والوں کے نام
 ریل بانوں کے نام
 کارخانوں کے بھوکے جیالوں کے نام
 بادشاہِ جہاں، والیِ ماسوا، نائب اللہ فی الارض
 دہقاں کے نام
 جس کی ڈھوروں کو ظالم ہنکالے گئے ہیں
 جس کی پیٹی کو ڈاکو اٹھالے گئے ہیں
 ہاتھ بھر کھیت سے ایک انگشت پٹوارنے کاٹ لی ہے
 دوسری مالنے کے بہانے سے سرکارنے کاٹ لی ہے
 جس کی پگ زور والوں کے پاؤں تلے
 دھجیاں ہو گئی ہے

کا تقاضا لئے، ہاتھ پھیلائے
 پہنچے، مگر لوٹ کر گھر نہ آئے
 وہ معصوم جو بھولپن میں
 وہاں اپنے تھے چراغوں میں لو کی لگن
 لے کے پہنچے جہاں
 بٹ رہے تھے، گھٹا ٹوپ، بے انت راتوں کے سائے
 اُن اسیروں کے نام
 جن کے سینوں میں فردا کے شب تاب گوہر
 جیل خانوں کی شوریدہ راتوں کی صرصر میں
 جل جل کے انجم نما ہو گئے ہیں
 آنے والے دنوں کے سفیروں کے نام
 وہ جو خوشبوئے گل کی طرح
 اپنے پیغام پر خود فدا ہو گئے ہیں

(نا تمام)

بیواؤں کے نام
 کٹڑیوں (۱) اور گلیوں محلوں کے نام
 جن کی ناپاک خاشاک سے چاند راتوں
 کو آ آ کے کرتا ہے اکثر وضو
 جن کے سایوں میں کرتی ہے آہ و بکا
 آنچلوں کی حنا
 چوڑیوں کی کھنک
 کاکلوں کی مہک
 آرزو مند سینوں کی اپنے پسینے میں جلنے کی بو
 پڑھنے والوں کے نام
 وہ جو اصحابِ طبل و علم
 کے دروں پر کتاب اور قلم

(۱) کٹڑی کٹڑے کی تصغیر۔ پنجابی میں ملحقہ مکانوں کے احاطے کو کہتے ہیں

۶۱۹۶۵

PAKISTANI  *اڪيڏاڻي پوائنٽ* POINT

لہو کا سُراغ

کہیں نہیں ہے کہیں بھی نہیں لہو کا سُراغ
نہ دست و ناخنِ قاتل نہ آستیں پر نشاں
نہ سُرخِ لبِ خنجر نہ رنگِ نوکِ سناں
نہ خاک پر کوئی دھبہ نہ بام پر کوئی داغ
کہیں نہیں ہے کہیں بھی نہیں لہو کا سُراغ
نہ صرف خدمتِ شاہاں کہ خونبہا دیتے
نہ دیں کی نذر کہ بیعہٴ جزا دیتے
نہ رزمِ گاہ میں برسا کہ معتبر ہوتا
کسی علم پر رقم ہو کے مشتری ہوتا

لہو کا سُراغ
زندہاں زندہاں شورِ انا الحق، محفلِ محفلِ قائلے
دست و کشلول نہیں کاسہ سر لے کے چلو
یہاں سے شر کو دیکھو
یوں سجا چاند کہ جھلکا ترے اندازِ کارنگ
غم نہ کر
بلیک آؤٹ
کس حرف پر ٹوٹنے گوشہٴ لب اے جانِ جہاں غماز کیا
سپاہی کا مرثیہ

زنداں زنداں شورِ انا الحق، محفل محفل قُلُقُلِ مے
خونِ تمنا دریا دریا، دریا دریا عیش کی لہر
دامن دامن رُت پھولوں کی، آنچل آنچل اشکوں کی
قریہ قریہ جشنِ پاپا ہے، ماتم شہر بہ شہر

کراچی.....جنوری ۱۹۶۵ء

(گلاب کا پھول سابق صدر محمد ایوب خاں کا انتخابی نشان تھا)

پکارتا رہا، بے آسراء یتیم لہو
کسی کو بہرِ سماعت نہ وقت تھا نہ دماغ
نہ مدعی، نہ شہادت، حساب پاک ہوا
یہ خونِ خاک نشیناں تھا، رزقِ خاک ہوا

کراچی.....جنوری ۱۹۶۵ء

یہاں سے شہر کو دیکھو

یہاں سے شہر کو دیکھو تو حلقہ در حلقہ
کھنچی ہے جیل کی صورت ہر ایک سمت فصیل
ہر ایک راہ گزر گردش اسیراں ہے
نہ سگِ میل، نہ منزل، نہ مخلصی کی سبیل
جو کوئی تیز چلے رہ تو پوچھتا ہے خیال
کہ ٹوکنے کوئی لکار کیوں نہیں آئی؟
جو کوئی ہاتھ ہلائے تو وہم کو ہے سوال
کوئی چھٹک، کوئی جھنکار کیوں نہیں آئی؟

دیدہ تر پہ وہاں کون نظر کرتا ہے
کاسہ چشم میں خوں نابِ جگر لے کے چلو
اب اگر جاؤ پئے عرض و طلب اُن کے حضور
دست و کشکول نہیں کاسہ سر لے کے چلو

کراچی.....جنوری ۱۹۶۵ء

جو سائے دُور چراغوں کے گرد لرزاں ہیں
نہ جانے مھلِ غم ہے کہ بزمِ جام و سُبُو
جو رنگِ ہر دَر و دیوار پر پریشاں ہیں
یہاں سے کچھ نہیں گھلتا یہ پھول ہیں کہ لہو

کراچی..... مارچ ۱۹۶۵ء

PAKISTANI POINT
اکتالی پوائنٹ
پبلسٹیشنز

یہاں سے شہر کو دیکھو تو ساری خلقت میں
نہ کوئی صاحبِ تمکین، نہ کوئی والئی ہوش
ہر ایک مردِ جواں مجرمِ رَسن بہ گلو
ہر ایک حسینہ رعنا، کنیزِ حلقہ بگوش

غم نہ کر، غم نہ کر

درد تھم جائے گا غم نہ کر، غم نہ کر
یار لوٹ آئیں گے، دل ٹھہر جائے گا غم نہ کر، غم نہ کر
زخم بھر جائے گا
غم نہ کر، غم نہ کر
دن نکل آئے گا
غم نہ کر، غم نہ کر
ابر کھل جائے گا، رات ڈھل جائے گی
غم نہ کر، غم نہ کر
رت بدل جائے گی
غم نہ کر، غم نہ کر

جون ۱۹۶۵ء

یوں سجا چاند کہ جھلکا ترے انداز کا رنگ
یوں فضا مہکی کہ بدلا مرے ہمراز کا رنگ

سایہ چشم میں حیراں رخ روشن کا جمال
سرخ لب میں پریشاں تری آواز کا رنگ

بے پیئے ہوں کہ اگر لطف کرو آخر شب
شیشہ سے میں ڈھلے صبح کے آغاز کا رنگ

چنگ و نرنگ پہ تھے، اپنے لہو کے دم سے
دل نے لے بدلی تو مدھم ہوا ہر ساز کا رنگ

اک سخن اور کہ پھر رنگِ تکلم تیرا
حرفِ سادہ کو عنایت کرے اعجاز کا رنگ

اپریل ۱۹۶۵ء

اور مری آنکھوں کے گم گشتہ ٹہر
 جامِ ظلمت سے سیہ مست
 نئی آنکھوں کے شب تاب گہر
 کوٹادے
 ایک پل ٹھہرو کہ دریا کا کہیں پاٹ لگے
 اور نیادل میرا
 زہر میں ڈھل کے، فنا ہو کے
 کسی گھاٹ لگے
 پھر پئے نذر نئے دیدہ و دل لے کے چلوں
 حُسن کی مدح کروں، شوق کا مضمون لکھوں

ستمبر ۱۹۶۵ء

PAKISTANI POINT
 اکتیائی پوائنٹ
 ایس بی بی ٹی روڈ

بلیک آؤٹ

جب سے بے نور ہوئی ہیں شمعیں
 خاک میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں نہ جانے کس جا
 کھو گئی ہیں میری دونوں آنکھیں
 تم جو واقف ہو بتاؤ کوئی پہچان مری
 اس طرح ہے کہ ہر اک رگ میں اتر آیا ہے
 موجِ در موج کسی زہر کا قاتل دریا
 تیرا ارمان، تیری یاد لئے جان مری
 جانے کس موج میں غلطاں ہے کہاں دل میرا
 ایک پل ٹھہرو کہ اُس پار کسی دنیا سے
 برق آئے مری جانب، دید بیضالے کر

سپاہی کا مرثیہ

اُٹھو اب ماٹی سے اُٹھو
جاگو میرے لال،
اب جاگو میرے لال،
تمہری تیج سجاون کارن
دیکھو آئی رین اندھیارن
نیلے شال دوشالے لے کر
جن میں ان دکھن اکھن نے
ڈھیر کئے ہیں اتنے موتی
اتنے موتی جن کی جیوتی
دان سے تمہرا
جگ جگ لاگا
نام چمکنے

کس حرف پر تُو نے گوشہ لب اے جانِ جہاں غماز کیا
اعلانِ جنوں دل والوں نے اب کے بہ ہزار انداز کیا
سو پریکاں تھے پیوستِ گلو، جب چھیڑی شوق کی لے ہم نے
سو تیر ترازو تھے دل میں جب ہم نے رقص آغاز کیا
بے حرص و ہوا، بے خوف و خطر اس ہاتھ پر سر، اس کف پہ جگر
یوں گُوئے صنم میں وقتِ سفر نظارہ بامِ ناز کیا
جس خاک میں مل کر خاک ہوئے وہ سرمہ چشمِ خلقِ نبی
جس خار پہ ہم نے خون چھڑکا، ہمرنگِ گلِ طناز کیا
لو وصل کی ساعت آہنچی، پھر حکمِ حضوری پر ہم نے
آنکھوں کے دریچے بند کئے اور سینے کا در باز کیا

ستمبر ۱۹۶۵ء

۱۹۶۶ء

PAKISTANI POINT

پاکستانی پبلسٹک
پرائیویٹ لمیٹڈ



اٹھو اب ماٹی سے اٹھو
جاگو میرے لال
اب جاگو میرے لال
گھر گھر بھرا بھور کا سندن
گھور اندھیرا اپنا آنگن
جانے کب سے راہ تگے ہیں
بالی دلہنیا بانگے ویرن
سونا تمہارا راج پڑا ہے
دیکھو کتنا کاج پڑا ہے
بیری میرا جے راج سنگھاسن
تم ماٹی میں لال
اٹھو اب ماٹی سے اٹھو، جاگو میرے لال
ہٹ نہ کرو ماٹی سے اٹھو، جاگو میرے لال
اب جاگو میرے لال

اکتوبر ۱۹۶۵ء

ایک شہر آشوب کا آغاز

اب بزم سخن صحبت لب سوختگاں ہے
اب حلقہ مے طائفہ بے طلباں ہے
گھر رہے تو ویرانی دل کھانے کو آوے
رہ چلے تو ہر گام پر غوغائے سگاں ہے
پیوند رہ کوچہ زر چشم غزالاں
پایوس ہوس افسر شمشاد قداں ہے
یاں اہل جنوں یک بہ دگر دست و گریباں
واں حبش ہوس تیغ بھف در پئے جاں ہے

ایک شہر آشوب کا آغاز
دیوارِ شب اور عکسِ رخ یار سامنے
کئے آرزو سے بیان جو مآل تک نہ پہنچے

دیوارِ شب اور عکسِ رُخ یار سامنے
پھر دل کے آئینے سے لہو پُھوٹنے لگا
پھر وضع احتیاط سے دُھندلا گئی نظر
پھر ضبطِ آرزو سے بدن ٹوٹنے لگا

۱۹۶۶ء

PAKISTANI POINT
پاکستانی پبلسٹی
پرائیویٹ

اب صاحبِ انصاف ہے خود طالبِ انصاف
مہر اُس کی ہے میزان بہ دستِ دِگراں ہے
ہم سہل طلب کون سے فرہاد تھے لیکن!
اب شہر میں تیرے کوئی ہم سا بھی کہاں ہے

فروری ۱۹۶۶ء

کوئی یار جاں سے گزرا، کوئی ہوش سے نہ گزرا
یہ ندم یک دو ساغر مرے حال تک نہ پہنچے
چلو فیضِ دل جلائیں کریں پھر سے عرضِ جاناں
وہ سخن جو لب تک آئے پہ سوال تک نہ پہنچے

۱۹۶۶ء



وہی چشمہ بقا تھا جسے سب سُر اب سمجھے
وہی خواب معتبر تھے جو خیال تک نہ پہنچے
ترا لطف وجہ تسکین، نہ قرار شرحِ غم سے
کہ ہیں دل میں وہ گلے بھی جو ملال تک نہ پہنچے
کئے آرزو سے پیاں جو مآل تک نہ پہنچے
شب و روزِ آشنائی مہ و سال تک نہ پہنچے
وہ نظر بہم نہ پہنچی کہ محیطِ حُسن کرتے
تری دید کے وسیلے خدو خال تک نہ پہنچے

7616

PAKISTANI   POINT

سوچنے دو

(آندرے وزنیسن سکے کرے نام)

اک ذرا سوچنے دو
اس خیاباں میں
جو اس لحظہ بیاباں بھی نہیں
کونسی شاخ میں پھول آئے تھے سب سے پہلے
کون بے رنگ ہوئی رنج و تعب سے پہلے
اور اب سے پہلے
کس گھڑی کون سے موسم میں یہاں
خون کا قحط پڑا

سوچنے دو
نہ کسی پہ زخم عیاں کوئی نہ کسی کو فکرِ فوکی ہے
سرِ واوی سینا
دعا
دلدار دیکھنا
ہارٹ اٹیک

ایسے محبوب یا محبوبہ کا دل رکھنے کو
 آنکلتا ہے کبھی رات بتانے کے لئے
 ہم اب اس عمر کو اپنے ہیں جب ہم بھی یونہی
 دل سے مل آتے ہیں بس رسم نبھانے کے لئے
 دل کی کیا پوچھتے ہو
 سوچنے دو

ماسکو..... مارچ ۱۹۶۷ء

PAKISTANI POINT
 اکتالی بیانات
 ایسے ہی ہوتے ہیں



گل کی شہ رگ پر کڑا
 وقت پڑا
 سوچنے دو
 اک ذرا سوچنے دو
 یہ بھر اشہر جو اب وادی ویراں بھی نہیں
 اس میں کس وقت کہاں
 آگ لگی تھی پہلے
 اس کے صف بستہ در پیچوں میں سے کس میں اول
 زہ ہوئی سرخ شعاعوں کی کہاں
 کس جگہ جوت جگی تھی پہلے
 سوچنے دو
 ہم سے اس دلیں کا تم نام و نشاں پوچھتے ہو
 جس کی تاریخ نہ جغرافیہ اب یاد آئے
 اور یاد آئے تو محبوب گزشتہ کی طرح
 زور و آنے سے جی گھبرائے
 ہاں مگر جیسے کوئی

نہیں خوفِ روزِ سیہ ہمیں، کہ ہے فیضِ ظرفِ نگاہ میں
ابھی گوشہ گیر وہ اک کرن، جو لگن اُس آئینہ رُو کی ہے

۱۹۶۷ء

PAKISTANI POINT
اکنائی پوائنٹ
پبلسٹیشنز

نہ کسی پہ زخمِ عیاں کوئی، نہ کسی کو فکرِ رفو کی ہے
نہ کرم ہے ہم پر حبیب کا، نہ نگاہ ہم پر عدو کی ہے

صفِ زاہداں ہے تو بے یقیں، صفِ میخشاں ہے تو بے طلب
نہ وہ صبحِ ورد و وضو کی ہے، نہ وہ شامِ جام و سُبُو کی ہے

نہ یہ غمِ نیا، نہ ستمِ نیا، کہ تری جفا کا گلا کریں
یہ نظر تھی پہلے بھی مضطرب، یہ کسک تو دل میں کبھو کی ہے

کفِ باغباں پہ بہارِ گل کا ہے قرضِ پہلے سے بیشتر
کہ ہر ایک پھول کے پیرہن میں نمودِ میرے لہو کی ہے

پھر برق فروزاں ہے سروائی سینا
اے دیدہ بینا
پھر دل کو مصفا کرو، اس لوح پہ شاید

PAKISTANI POINT
اکنائی بھارت
پہلی کتابوں سے

سروائی سینا
(عرب اسرائیل جنگ کے بعد)

پھر برق فروزاں ہے سروائی سینا
پھر رنگ پر ہے شعلہ رخسارِ حقیقت
پیغامِ اجل دعوتِ دیدارِ حقیقت
اے دیدہ بینا
اب وقت ہے دیدارِ کا دم ہے کہ نہیں ہے
اے قاتلِ جاں چارہ گرِ کلفتِ غم ہے
گلزارِ ارم پرتو صحرائے عدم ہے
پندارِ جنوں
حوصلہ راہِ عدم ہے کہ نہیں ہے

(۲)
سُو کہ شاید یہ نورِ صیقل
ہے اُس صحیفے کا حرفِ اول
جو ہر کس و ناکسِ زمیں پر
دلِ گدلیانِ جمعیں پر
اتر رہا ہے فلک سے اب کے

مائنِ من و تو نیا پیاں کوئی اترے
اب رسمِ ستمِ حمتِ خاصانِ زمیں ہے
تائیدِ ستمِ مصلحتِ مفتیٰ دیں ہے
اب صدیوں کے اقرارِ اطاعت کو بدلنے
لازم ہے کہ انکار کا فرماں کوئی اترے

ہر اک اولی الامر کو صدا دو
 کہ اپنی فردِ عمل سنبھالے
 اٹھے گا جب جہم سرفروشاں
 پڑیں گے دار و رسن کے لالے
 کوئی نہ ہو گا کہ جو چالے
 جزا سزا سب یہیں پر ہو گی
 یہیں عذاب و ثواب ہو گا
 یہیں سے اٹھے گا شورِ محشر
 یہیں پر روزِ حساب ہو گا

۱۹۶۷ء

PAKISTANI POINT



سُو کہ اس حرفِ لم یزل کے
 ہمیں تمہیں بدگانِ بے بس
 علیم (۱) بھی ہیں خبیر (۲) بھی ہیں
 سُو کہ ہم بے زبان و بے کس
 بشیر (۳) بھی ہیں، نذیر (۴) بھی ہیں

۱- ۲- ۳- ۴- یہ الفاظ لغوی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں

جن کے قدموں کو کسی رہ کا سہارا بھی نہیں
ان کی نظروں پہ کوئی راہ اُجاگر کر دے
جن کا دیں پیروی کذب و ریا ہے اُن کو
ہمتِ کفر ملے، جرأتِ تحقیق ملے!
جن کے سر منتظر تیغِ جفا ہیں اُن کو
دستِ قاتل کو جھٹک دینے کی توفیق ملے
عشق کا سترِ نہاں جانِ تپاں ہے جس سے
آج اقرار کریں اور تپش مٹ جائے
حرفِ حقِ دل میں کھٹکتا ہے جو کانٹے کی طرح
آج اظہار کریں اور خلش مٹ جائے

یومِ آزادی..... ۱۴ اگست ۱۹۶۷ء

دعا

آئیے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی
ہم جنہیں رسمِ دُعا یاد نہیں!
ہم جنہیں سوزِ محبت کے سوا
کوئی بُت، کوئی خدا یاد نہیں
آئیے عرض گزاریں کہ نگارِ ہستی
زہرِ امروز میں شیرینیٰ فردا بھر دے
وہ جنہیں تابِ گراں باریِ ایام نہیں
اُن کی پلکوں پہ شب و روز کو ہلکا کر دے
جن کی آنکھوں کو رخِ صُبح کا یارا بھی نہیں
ان کی راتوں میں کوئی شمعِ موقر کر دے

خالی ہیں گرچہ مندو منبرنگوں ہے خلق
 رُعبِ قبا و پیتِ دَستارِ دیکھنا
 جب تک نصیب تھا ترا دیدارِ ردیکھنا
 جس سمت دیکھنا، گُل و گلزارِ دیکھنا
 پھر ہم تمیزِ روز و مہ و سال کر سکیں
 اے یادِ یارِ پھر ادھر اک بار دیکھنا

۱۹۶۷ء

PAKISTANI POINT
 اکتان پوائنٹ
 ایسٹنٹ پوائنٹ

دلدار دیکھنا

طوفاں بہ دل ہے ہر کوئی دلدار دیکھنا
 گُل ہو نہ جائے مشعلِ رخسارِ دیکھنا
 آتش بہ جاں ہے ہر کوئی سرکارِ دیکھنا
 لودے اٹھے نہ طرہ طرارِ دیکھنا
 جذبِ مسافرانِ رہِ یارِ دیکھنا
 سر دیکھنا، نہ سنگ، نہ دیوارِ دیکھنا
 گونے جفا میں قحطِ خریدارِ دیکھنا
 ہم آگے تو گرمی بازارِ دیکھنا
 اس دل نواز شہر کے اطوارِ دیکھنا
 بے التفات بولنا، میزارِ دیکھنا

اور جب یاد کی جُھتی ہوئی شمعوں میں نظر آیا کہیں
ایک ہل آخری لمحہ تری دلداری کا
درد اتنا تھا کہ اس سے بھی گزرنا چاہا
ہم نے چاہا بھی، مگر دل نہ ٹھہرنا چاہا

۱۹۶۷ء

PAKISTANI POINT
پاکستانی پبلسٹی
پبلسٹی ہاؤس

ہارٹ اٹیک

درد اتنا تھا کہ اُس رات دل وحشی نے
ہر رگِ جاں سے اُلجھنا چاہا
ہر بُنِ مُو سے ٹپکنا چاہا
اور کہیں دُور تیرے صحن میں گویا
پتہ پتہ مرے افسردہ لہو میں دُھل کر
حُسنِ مہتاب سے آزرده نظر آنے لگا
میرے ویرانہ تن میں گویا
سارے دُکھتے ہوئے ریشوں کی طنائیں ٹھل کر
سلسلہ وار پتہ دینے لگیں
رخصتِ قافلہ شوق کی تیاری کا

۷۶۶۱۶

PAKISTANI   POINT

ضبط کا عہد بھی ہے شوق کا پیمان بھی ہے
عہد و پیمان سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے
درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
اور سُنکوں ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

اگست ۱۹۶۷ء

PAKISTANI POINT



اگر کتابیں چاہتے
ہیں تو لکھیں

ضبط کا عہد بھی ہے شوق کا پیمان بھی ہے
مرنے

(۲)

چاند نکلے کسی جانب تری زیبائی کا
رنگ بدلے کسی صورت شبِ تنہائی کا

دولت لب سے پھر اے خسر و شریں دہناں
آج ارزاں ہو کوئی حرف شناسائی کا

گرمی رشک سے ہر انجمن گل بدناں
تذکرہ چھیڑے تری پیرہن آرائی کا

صحنِ گلشن میں کبھی اے شرِ شمشاد قداں
پھر نظر آئے سلیقہ تری رعنائی کا

مرثیے

(۱)

دُور جا کر قریب ہو جتنے
ہم سے کب تم قریب تھے اتنے
اب نہ آؤ گے تم نہ جاؤ گے
وصل و ہجراں بہم ہوئے کتنے

(۳)

کب تک دل کی خیر منائیں، کب تک راہ دکھلاؤ گے
کب تک چین کی مہلت دو گے کب تک یاد نہ آؤ گے
پتا دید امید کا موسم، خاک اڑتی ہے آنکھوں میں
کب بھجوں گے درد کا بادل، کب برکھا برسائے گے
عہدِ وفا یا ترکِ محبت، جو چاہو سو آپ کرو
اپنے بس کی بات ہی کیا ہے، ہم سے کیا منواؤ گے

ایک بار اور میجائے دلِ دل زدگاں
کوئی وعدہ، کوئی اقرار میجائی کا

دیدہ د دل کو سنبھالو کہ سرِ شامِ فراق
سازو سامان بہم پہنچا ہے رسوائی کا

اگست ۱۹۶۸ء

۱۹۶۹ء

PAKISTANI



اکنڈا پوائنٹ
پبلسٹیشنز

POINT

کس نے وصل کا سورج دیکھا، کس پر ہجر کی رات ڈھلی
گیسوؤں والے کون تھے کیا تھے، ان کو کیا جتلاؤ گے

فیض دلوں کے بھاگ میں ہے، گھر بھرنا بھی لٹ جانا بھی
تم اس حُسن کے لطف و کرم پر کتنے دن اتر اؤ گے

اکتوبر ۱۹۶۸ء

خورشیدِ محشر کی لو

آج کے دن نہ پوچھو، مرے دوستو!
دور کتنے ہیں خوشیاں منانے کے دن
کھل کے ہنسنے کے دن، گیت گانے کے دن
پیار کرنے کے دن، دل لگانے کے دن



PAKISTANI

اکتباتِ بصافت
پبلسٹیشنز

POINT

خورشیدِ محشر کی لو

آج کا دن زیوں ہے، مرے دوستو
آج کے دن تو یوں ہے، مرے دوستو
جیسے درد و الم کے پرانے نشان
سب چلے سُوئے دل کارواں، کارواں
ہاتھ سینے پہ رکھو توہر استخوان
سے اُٹھے نالہ الاماں، الاماں

آج کے دن نہ پوچھو، مرے دوستو!
زخم کتنے ابھی بختِ بسمل میں ہیں
دشت کتنے ابھی راہِ منزل میں ہیں
تیر کتنے ابھی راہِ منزل میں ہیں

۱۹۷۰ء

PAKISTANI POINT
اکنائی پوائنٹ
پبلسیشنز

آج کے دن نہ پوچھو، مرے دوستو
کب تمہارے لہو کے دریدہ علم

فرقِ خورشیدِ محشر پہ ہوں گے رقم
از کراں تا کراں کب تمہارے قدم

لے کے اٹھے گا وہ بحرِ خوں یم بہ یم
جس میں ڈھل جائے گا آج کے دن کا غم
سارے درد و الم سارے جبر و ستم

دور کتنی ہے خورشیدِ محشر کی لو
آج کے دن نہ پوچھو، مرے دوستو!

مارچ۔ اپریل ۱۹۶۹ء

بالیں پہ کہیں رات ڈھل رہی ہے
یا شمع پگھل رہی ہے
پہلو میں کوئی چیز جل رہی ہے
تم ہو کہ مری جاں نکل رہی ہے

مئی جون ۱۹۷۰ء

بالیں پہ کہیں رات ڈھل رہی ہے
اک سخن مطربِ زیبا کہ سلگ اٹھے بدن
جرس گل کی صدا
فرشِ نومیدی دیدار
ٹوٹی جہاں جہاں پہ کند

جرسِ گل کی صدا

اس ہوس میں کہ پکارے جرسِ گل کی صدا
دشت و صحرا میں صبا پھرتی ہے یوں آوارہ
جس طرح پھرتے ہیں ہم اہلِ جُوں آوارہ

ہم پہ وارِ فِگلی ہوش کی تہمت نہ دھرو
ہم کہ رمائزِ رموزِ غمِ پنهانی ہیں!
اپنی کردن پہ بھی ہے رشتہ نگنِ خاطرِ دوست
ہم بھی شوقِ رہِ دلدار کے زندانی ہیں!

اک سخنِ مطربِ زیبا کہ سلگ اٹھے بدن
اک قدحِ ساتھیِ مہوش جو کرے ہوشِ تمام

ذکرِ صبحے کہ رخِ یار سے رنگیں تھا چمن
یادِ شبہا کہ تنِ یار تھا آغوشِ تمام

جون ۱۹۷۰ء

فرشِ نومیدی دیدار

دیکھنے کی تو کسے تاب ہے لیکن اب تک
جب بھی اس راہ سے گزرو تو کسی دکھ کی کسک
ٹوکتی ہے کہ وہ دروازہ کھلا ہے اب بھی
اور اس صحن میں ہر سو یونہی پہلے کی طرح
فرشِ نومیدی دیدار بچھا ہے اب بھی
اور کہیں یاد کسی دل زدہ بچے کی طرح
ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھی ہے فریاد سناں

جب بھی ابروئے دربار نے ارشاد کیا
جس بیباں میں بھی ہم ہوں گے چلے آئیں گے

دُر کھلا دیکھا تو شاید تمہیں پھر دیکھ سکیں
بند ہوگا تو صدا دے کے چلے جائیں گے

جولائی ۲۰۱۹ء

یہ بھی کر دیکھا ہے سو بار کہ جب راہوں میں
دلیں پردیس کی بے مہر گزرگاہوں میں
قافلے قامت و زخار و لب و گیسو کے
پردہ چشم پہ یوں اترے ہیں بے صورت و رنگ
جس طرح بند درپچوں پہ گرے بارش سنگ



دل یہ کہتا ہے کہیں اور چلے جائیں جہاں
کوئی دروازہ عبث واہو، نہ بے کار کوئی
یاد فریاد کا شکول لئے بیٹھی ہو
محرمِ حسرت دیدار ہو دیوار کوئی
نہ کوئی سایہ گل، ہجرتِ گل سے ویراں

ٹوٹی جہاں جہاں پہ کمند

رہا نہ کچھ بھی زمانے میں جب نظر کو پسند
تری نظر سے کیا رشتہ نظر پیوند
ترے جمال سے ہر صبح پر وضو لازم
ہر ایک شب ترے در پر سجد کی پابند
نہیں رہا حرم دل میں اک صنم باطل
ترے خیال کے لات و منات کی سوگند
مثالِ زینہ منزل بکارِ شوق آیا
ہر اک مقام کہ ٹوٹی جہاں جہاں پہ کمند
خزاں تمام ہوئی کس حساب میں لکھئے
بہارِ گل میں جو پنچے ہیں شاخِ گل کو گزند

اور دل کہتا ہے ہر بار چلو کوٹ چلو
اس سے پہلے کہ وہاں جائیں تو یہ دکھ بھی نہ ہو
یہ نشانی کہ وہ دروازہ کھلا ہے اب بھی
اور اس صحن میں ہر سو یونہی پہلے کی طرح
فرشِ نومیدی دیدار بچھا ہے اب بھی

اگست ۱۹۷۰ء

۱۹۷۱ء



POINT

PAKISTANI

دریدہ دل ہے کوئی شہر میں ہماری طرح
کوئی دریدہ دہن شیخ شہر کی مانند

شعار کی جو مدارتِ قامتِ جاناں
کیا ہے فیضِ درِ دل، درفلک سے بلند

نومبر ۱۹۷۰ء

شرح بے دردی حالات نہ ہونے پائی
 اب کے بھی دل کی مدارات نہ ہونے پائی
 پھر وہی وعدہ جو اقرار نہ ہونے پایا
 پھر وہی بات جو اثبات نہ ہونے پائی
 پھر وہ پروانے جنہیں اذنِ شہادت نہ ملا
 پھر وہ شمعیں کہ جنہیں رات نہ ہونے پائی
 پھر وہی جاں بہ لہی لذتِ مے سے پہلے
 پھر وہ محفل جو خرابات نہ ہونے پائی
 پھر دمِ دید رہے چشم و نظر دید طلب
 پھر شبِ وصل ملاقات نہ ہونے پائی

شرح بے دردی حالات نہ ہونے پائی
 حذر کرو مرے تن سے
 تہہ تہہ دل کی کدورت
 ہم سادہ ہی ایسے تھے کی یو نہی پذیرائی
 یک جان نہ ہو سکتے
 یار اغیار ہو گئے ہیں
 غبارِ خاطر محفل ٹھہر جائے

خدر کرو مرے تن سے

سجے تو کیسے سجے قتلِ عام کا میلہ
کسے لٹھائے گا میرے لہو کا واویلا
مرے نزار بدن میں لہو ہی کتنا ہے
چراغ ہو کوئی روشن نہ کوئی جام بھرے
نہ اس سے آگ ہی بھڑکے نہ اس سے پیاس مجھے
مرے نگار بدن میں لہو ہی کتنا ہے
مگر وہ زہر ہلاہل بھرا ہے نس نس میں
جسے بھی چھیدو ہر اک بوند قہر انہی ہے
ہر اک کشید ہے صدیوں کے درد و حسرت کی
ہر اک میں مہر بلب غیظ و غم کی گرمی ہے

پھر وہاں بابِ اثر جائے کب بند ہوا
پھر یہاں ختمِ مناجات نہ ہونے پائی

فیض سر پر جو ہر اک روز قیامت گذری
ایک بھی روزِ مکافات نہ ہونے پائی

۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء

تہ بہ تہ دل کی کدورت
 میری آنکھوں میں اُمنڈ آئی تو کچھ چارہ نہ تھا
 چارہ گر کی مان لی
 اور میں نے گرد آلود آنکھوں کو لہو سے دھولیا
 میں نے گرد آلود آنکھوں کو لہو سے دھولیا
 اور اب ہر شکل و صورت
 عالم موجود کی ہر ایک شے
 میری آنکھوں کے لہو سے اس طرح ہم رنگ ہے
 خورشید کا سُندن لہو
 مہتاب کی چاندی لہو
 صبحوں کا ہنسنا بھی لہو
 راتوں کا رونا بھی لہو

حذر کرو مرے تن سے یہ سم کا دریا ہے
 حذر کرو کہ مرا تن وہ چوبِ صحرا ہے
 جسے جلاؤ تو صحنِ چمن میں دکھیں گے
 جائے سردسمن میری ہڈیوں کے بول
 اسے بکھیرا تو دشتِ ودمن میں بکھرے گی
 جائے مُغکِ صبا، میری جانِ زار کی ڈھول
 حذر کرو کہ مرا دل لہو کا پیاسا ہے

مارچ ۱۹۷۱ء

ہم سادہ ہی ایسے تھے کی یوں ہی پذیرائی
 جس بار خزاں آئی، سمجھے کہ بہار آئی
 آشوبِ نظر سے کی ہم نے چمن آرائی
 جو شے بھی نظر آئی، گلرنگِ نظر آئی
 امیدِ تالطف میں رنجیدہ رہے دونوں
 تو اور تری محفل، میں اور مری تنہائی

ہر شجر مینارِ خوں، ہر پھول ٹھونیں دیدہ ہے
 ہر نظر اک تارِ خوں، ہر عکس خوں مالیدہ ہے
 موجِ خوں جب تک رواں رہتی ہے اس کا سرخ رنگ
 جذبہٴ شوقِ شہادت، دردِ غیظ و غم کا رنگ
 اور تھم جائے تو بجلا کر
 فقط نفرت کا شب کا موت کا
 ہر رنگ کے ماتم کا رنگ
 چارہ گر ایسا نہ ہونے دے
 کہیں سے لاکوئی سیلابِ اشک
 آبِ وضو
 جس میں ڈھل جائیں تو شاید ڈھل سکے
 میری آنکھوں، میری گرد آلود آنکھوں کا لہو

۱۸ اپریل ۱۹۷۱ء

یارِ آغیار ہو گئے ہیں
اور اغیارِ مضر ہیں کہ وہ سب
یارِ غار ہو گئے
اب کوئی ندم باصفا نہیں ہے
سب رند شراب خوار ہو گئے ہیں

۱۹۷۱ء

PAKISTANI POINT



اکنڈا پبلسٹس
ایس۔ پی۔ اے۔

یک جان نہ ہو سکے، انجان نہ بن سکے
یوں ٹوٹ گئی دل میں شمشیر شناسائی

اس تن کی طرف دیکھو جو قتل گمہ دل ہے
کیا رکھا ہے مقتل میں اے چشم تماشائی

کوئی دم بادبانِ کشتی صہبا کو تہہ رکھو
ذرا ٹھہرو، غبارِ خاطرِ محفلِ ٹھہر جائے
خُمِ ساقی میں مجز زہرِ ہلاہل کچھ نہیں باقی
جو ہو محفل میں اس اکرام کے قابلِ ٹھہر جائے

غبارِ خاطرِ محفلِ ٹھہر جائے

کہیں تو کاروانِ درد کی منزل ٹھہر جائے
کنارے آگے عمرِ زواں یا دل ٹھہر جائے
اماں کیسی کہ موجِ خوں ابھی سر سے نہیں گزری
گزر جائے تو شاید بازوئے قاتلِ ٹھہر جائے

داغستان کے ملک الشعراء

رسول حمزہ

کے افکار



PAKISTANI

پاکستانی پبلسٹک
پوائنٹ

POINT

ہماری خامشی بس دل سے لب تک ایک وقفہ ہے
یہ طوفاں ہے جو ہل بھر بر لب ساحل ٹھہر جائے

نگاہ منتظر کب تک کرے گی آئینہ بندی
کہیں تو دشتِ غم میں یار کا محمل ٹھہر جائے

میں تیرے سنے دیکھوں

برکھا بر سے چھت پر، میں تیرے سنے دیکھوں
برف گرے پرہت پر، میں تیرے سنے دیکھوں

صُح کی نیل ہری، میں تیرے سنے دیکھوں
کونل دُھوم مچائے، میں تیرے سنے دیکھوں
آئے اور اڑجائے، میں تیرے سنے دیکھوں

باغوں میں پتے مہکیں، میں تیرے سنے دیکھوں
شبنم کے موتی دکھیں، میں تیرے سنے دیکھوں

میں تیرے سنے دیکھوں
بھائی
داعستانی خاتون اور شاعر پنا
بہ نوک شمشیر
آرزو
سالگرہ
ایک چٹان کے لئے کتبہ
تیرگی جال ہے اور بھالا ہے نور
نسخہ الفت میرا

بھائی

آج سے بارہ برس پہلے بڑا بھائی مرا
اسٹین گراڈ کی جنگاہ میں کام آیا تھا
میری ماں اب بھی لئے پھرتی ہے پہلو میں یہ غم
جب سے اب تک ہے وہی تن پہ ردائے ماتم
اور اس دُکھ سے بری آنکھ کا گوشہ تر ہے
اب بری عمر بڑے بھائی سے کچھ بڑھ کر ہے

اس پیار میں کوئی دھوکہ ہے
تو نار نہیں کچھ اور ہے شے
ورنہ کیوں ہر ایک سے
میں تیرے سنے دیکھوں

بہ نوکِ شمشیر

میرے آباء کہ تھے نامحرمِ طوق و زنجیر
وہ مضامین جو ادا کرتا ہے اب میرا قلم
نوکِ شمشیر پہ لکھتے تھے بہ نوکِ شمشیر
روشنائی سے جو میں کرتا ہوں کا غذ پہ رقم
سنگ و صحرا پہ وہ کرتے تھے لہو سے تحریر

داغستانی خاتون اور شاعر بیٹا

اس نے جب بولنا نہ سیکھا تھا
اس کی ہر بات میں سمجھتی تھی
اب وہ شاعر بنا ہے نامِ خدا
لیکن افسوس کوئی بات اس کی
میرے پتے ذرا نہیں پڑتی

سالگرہ

شاعر کا جشنِ سالگرہ ہے، شرابِ لا
منصب، خطاب، رتبہ انھیں کیا نہیں ملا
بس نقص ہے تو اتنا کہ ممدوح نے کوئی
مصرع کسی کتاب کے شایاں نہیں لکھا

آرزو

مجھے معجزوں پہ یقین نہیں مگر آرزو ہے کہ جب قضا
مجھے بزمِ دہر سے لے چلے
تو پھر ایک بار یہ اذن دے
کہ لحد سے لوٹ کے آسکوں
ترے در پہ آ کے صدا کروں
تجھے غمگسار کی ہو طلب تو ترے حضور میں آرہوں
یہ نہ ہو تو سوائے رہِ عدم میں پھر ایک بار روانہ ہوں

تیرگی جال ہے اور بھالا ہے نُور
 ایک شکاری ہے دن، اک شکاری ہے رات
 جگ سمندر ہے جس میں کنارے سے دُور
 مچھلیوں کی طرح ابنِ آدم کی ذات
 جگ سمندر ہے ساحل پہ ہیں ماہی گیر
 جال تھامے کوئی، کوئی بھالائے
 میری باری کب آئے گی کیا جانئے
 دن کے بھالے سے مجھ کو کریں گے شکار
 رات کے جال میں یا کریں گے اسیر؟

ایک چٹان کے لئے کتبہ

جواں مُردی اسی رفعت پہ پہنچی
 جہاں سے بڑولی نے جُست کی تھی

۷۷۹۷۸

دل من مسافر من
ستم سکھلائے گار سم وفا

اس نظم اور غزل کے لئے ہم فیض صاحب کے دوست جناب سید حسن کے مشکور ہیں
اور انھیں شاعر کی اجازت کے بغیر مجموعے میں شامل کر رہے ہیں

ناشر

PAKISTANI POINT
اکنائی پوائنٹ
پبلسٹیشنز

نسخۃ الفت میرا

گر کسی طور ہر اک الفتِ جاناں کا خیال
شعر میں ڈھل کے ثنائے رُخِ جانا نہ بنے
پھر تو یوں ہو کہ مرے شعر و سخن کا دفتر
طول میں طولِ شبِ ہجر کا افسانہ بنے
ہے بہت تشنہ مگر نسخۃ الفت میرا
اس سبب سے کہ ہر اک لمحۂ فرصت میرا
دل یہ کہتا ہے کہ ہو قرہتِ جاناں میں بسر

”بھی اس سے بات کرنا“
 ”بھی اس سے بات کرنا“
 تمہیں کیا کہوں کہ کیا ہے
 ”شبِ غم بُری بلا ہے“
 ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
 جو کوئی شمار ہوتا
 ہمیں کیا بُرا تھا مرنا
 اگر ایک بار ہوتا“

دلِ من مسافرِ من

مرے دل، مرے مسافر
 ہوا پھر سے یہ حکم صادر
 کہ وطن بدر ہوں ہم تم
 دیں گلی گلی صدائیں
 کریں رُخ نگر نگر کا
 کہ سُرُاغ کوئی پائیں
 کسی یارِ نامہ بر کا
 ہر اک اجنبی سے پوچھیں
 جو پتہ تھا اپنے گھر کا
 سر گونے ناشایاں
 ہمیں دن سے رات کرنا

ستم سکھلائے گا رسم وفا، ایسے نہیں ہوتا
صنم دکھلائیں گے راہِ خدا، ایسے نہیں ہوتا
گنوسب حسرتیں جو خوں ہوئی ہیں دل کے مقتل میں
مرے قاتل حسابِ خوں بہا، ایسے نہیں ہوتا
جہاں دل میں کام آئی ہیں تدبیریں نہ تعزیریں!
یہاں پیمانِ تسلیم و رضا ایسے نہیں ہوتا
ہر اک شب ہر گھڑی گزرے قیامت یوں تو ہوتا ہے
مگر ہر صبح ہو روزِ جزا ایسے نہیں ہوتا
زواں ہے بھڑ دوراں گردشوں میں آسماں سارے
جو تم کہتے ہو سب کچھ ہو چکا ایسے نہیں ہوتا

فیض
فیض

نوع کلام

مرے مسافر

مرے مسافر

حکم صادر

ہوں ہم تم

صدائیں

فیض کی سر

بدلیں ہر جا

POINT

پاکستانی



PAKISTANI